

فقہ اسلامی میں تطبیق اور اس کی فکری بنیادیں

سعید احمد: محمد اعجاز

فقہی اختلاف کی تاریخ اس کی حیثیت و حقیقت ائمہ مجتہدین کے اخلاص للہیت اور مذاہب اربعہ کے مقام و مرتبہ پر نظر ڈالنے سے یہ امر مترشح ہوتا ہے کہ ائمہ مجتہدین کا بالعموم اور ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد حنبل) کا بالخصوص فقہی فروعی مسائل میں اختلاف نہ صرف مشروع و محمود ہے بلکہ اس میں امت کے لیے سہولت اور تخفیف بھی ہے۔ مذاہب اربعہ دراصل ایک ہی شجرہ طوبی کی شاخیں ہیں۔ یہ سب ایک دھڑ سے پیوستہ ہیں اور قرآن کریم کے بعد حدیث و سنت ہی ان سب کا سرچشمہ ہے۔ پس فقہی فروعی مسائل میں نہ تو شدت ہونی چاہئے اور نہ ان میں باہمی منافرت۔ بلکہ ان مسائل کے درمیان حدیث کی روشنی میں بقدر امکان تطبیق و توافق کی سعی ہونی چاہیے۔ فقہی مذاہب و مسائل کے مابین تطبیق کے ذریعے نہ صرف باہمی فروعی اختلافات کو کم کرنے میں مدد ملے گی بلکہ جدید مسائل کے حل کے ساتھ ساتھ باہمی رواداری کو بھی فروغ ملے گا۔ ذیل میں تطبیق کے معنی و مفہوم اور اس کی فکری بنیادوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

تطبیق کا مفہوم:

”تطبیق“ باب تفعیل کا مصدر ہے جو ”طبق“ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے:

”غطاء کل شئی“

”ہر چیز کو ڈھانپ لینا۔“

اس کی جمع ”اطباق“ ہے۔ اسی مادہ اشتقاق سے ”تطابق“ اور ”مطابقت“ ہے جس کا معنی ”اتفاق“ اور ”موافقت“ ہے اور شاید آسمانوں کو بھی اسی لیے ”طباق“ کا نام دیا گیا ہے جن میں تہ درتہ ہونے میں مطابقت پائی جاتی ہے۔ (۱)

علامہ ابن منظور نے ”تطبیق“ کے مختلف استعمال ذکر کیے ہیں مثلاً

”طبق الغیث الارض“

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے جب کہ موجودہ فقہی اصطلاح میں چند مقرر کردہ اصولوں کے ذریعے دو بہ ظاہر باہم متعارض اور قوت و ثبوت میں یکساں نصوص اور احکام کے مابین تاویل کر کے اس طرح مطابقت و موافقت پیدا کرنا کہ دونوں کے درمیان بظاہر تعارض رفع ہو جائے اور دونوں اپنی اپنی جگہ پر درست سمجھے جائیں۔

تطبیق اور تلفیق میں فرق

”تلفیق“ ”تلفیق“ سے مشتق ہے جس کا معنی:

الف۔ کپڑے کے دونوں کونوں یا دونوں سروں کو ملا کر یا دو کپڑوں کو ملا کر سی دینا۔

ب۔ بات کو جھوٹ اور باطل سے مزین کر کے پیش کرنا اور

ج۔ کسی چیز کو طلب کرنا اور نہ پانا ہے۔

اسی سے ”تلفیق“ مشتق ہے جس سے مراد وہ دو کپڑے ہیں جن کو ملا کر سی دیا گیا ہو جب کہ ان

میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ ”تلفیق“ کہا جاتا ہے۔ (۶)

امام جوہری نے ”کپڑے کے دوسروں کو ملا کر سی دینا“ کے معنی کے علاوہ ان معانی میں بھی استعمال

کیا ہے:

”تلفیق القوم تلاء مت امور ہم“

”یعنی“ ”تلفیق القوم“ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب ان کے معاملات قابل ملامت ہو جائیں۔“

اور ”احادیث ملفقہ“ کو ”اکاذیب مزخرفہ“ (بنا سنوار کر پیش کئے گئے جھوٹ) کے مفہوم میں استعمال

کیا ہے۔ (۷)

تطبیق کی طرح لفظ ”تلفیق“ کا استعمال بطور معروف اور معروف فقہی اصطلاح کے متقدمین فقہاء کے

ہاں نہیں ملتا۔ البتہ متاخرین فقہاء نے اسے موجودہ معروف اور معروف معانی میں استعمال کیا ہے مثلاً:

علامہ سعید البانی لکھتے ہیں:

”التلفیق: هو الاتيان بكيفية لا يقول بها مجتهد“ (۸)

”تلفیق“ عبارت ہے (کسی عمل میں) ایسی کیفیت پیدا کرنے سے جس کا کوئی بھی مجتہد قائل نہ ہو۔

ڈاکٹر وہبہ الزحبی اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”اس کا معنی یہ ہے کہ کسی عمل کو کئی فقہی مذاہب کی تقلید سے ترتیب دیا جائے اور کسی ایسے معاملے میں جس کے کئی ارکان یا جزئیات ہوں دو یا دو سے زیادہ ائمہ مجتہدین کے اقوال کو لے لیا جائے جس سے ایسی مرکب حالت (ملغوبہ) بن جائے جس کا کوئی امام بھی قائل نہ ہو نہ وہ امام جس کا ”مشتق“ مقلد ہے اور نہ وہ امام جس کے مذہب کی طرف وہ منتقل ہوا ہے ان میں سے ہر ایک امام ایسی مرکب حقیقت کے باطل ہونے کا اقرار کرتا ہو۔“ (۹)

ایسا کرنے والے کے بارے میں عبدالغنی النابلسی فرماتے ہیں:

”ومتی عمل عبادة او معاملة ملققة اخذ لها من كل مذهب قول لا يقول بها صاحب المذهب الآخر فقد خرج عن المذاهب الاربعة واخترع له مذهباً خامساً لعبادته باطله ومعاملته غير صحيحة وهو متلاعب في الدين وغير عامل بمذهب من مذاهب المجتهدين لانه لو سئل كل مفت من اهل المذاهب الاربعة فلا يسوغ له ان يفتي بصحة تلك العبادة او المعاملة لفقد شروط صحتها عنده“ (۱۰)

”اور جب کوئی شخص اس طرح کی تلفیق شدہ عبادت یا معاملہ کرے جس کے لیے ہر مذہب فقہ سے وہ قول لے لے جس کا دوسرے مذہب کا مجتہد قائل نہ ہو تو ایسا کرنے سے وہ مذہب اربعہ سے باہر نکل گیا اور اس نے ایک نیا پانچواں مذہب فقہ اختراع کر لیا۔ پس اس کی تلفیق شدہ عبادت باطل اور معاملہ غیر صحیح ہوگا اور وہ ”متلاعب فی الدین“ کا مرتکب ہوگا اور مذہب مجتہدین سے ہٹ کر ایک نئے مذہب فقہ کا عامل قرار پائے گا کیونکہ مذہب اربعہ میں سے کسی بھی مذہب فقہ کے مفتی سے سوال کیا جاتا تو وہ مذکورہ بالا عبادت اور معاملہ کو درست ہونے کی مطلوبہ شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کے جواز کا کبھی بھی فتویٰ نہ دیتا۔“

مثلاً عبادات میں تلفیق کی ایک مثال یہ ہے کہ کوئی آدمی وضو میں سر کے بعض حصے کے مسح کرنے پر اکتفا کرنے میں امام شافعی کی تقلید کرے۔ پھر اجنبی عورت کے لمس سے وضو کے عدم نقص میں امام ابوحنیفہ یا امام مالک کی تقلید کرے پھر اس وضو سے نماز ادا کر لے تو اس وضو کی صحت کا جس سے اس

احوالِ خصیہ میں اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص نکاح کے مسئلے میں مختلف مذاہب فقہ کی آراء پر عمل کرتے ہوئے کسی عورت سے اس طرح عقد نکاح کرے کہ اس میں نہ ولی کی اجازت ہو نہ حق مہر مقرر ہو اور نہ وقت نکاح گواہ موجود ہوں۔ تو ایسا نکاح جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہ اجماع کے خلاف ہے اور اس کے جواز کا کوئی بھی امام قائل نہیں ہے۔ (۱۲)

بعض فقہاء نے نفسانی خواہشات کے تحت مذہبی رخصتوں کی تلاش کو تملیق قرار دیا ہے لیکن یہ فرق ذہن میں رہنا چاہیے کہ یہاں رخصت سے مراد وہ رخصت نہیں ہے جو اہل اصول کے نزدیک معروف و متداول ہے اور وہ رخصت عزیمت کی ضد ہے (مثلاً حالت سفر میں روزہ نہ رکھنے اور نماز قصر کی رخصت) کیونکہ وہ رخصت جو اہل اصول کے نزدیک معروف ہے وہ کتاب و سنت سے ثابت ہے اور اس میں اہل اصول اور فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے یہاں تتبع رخص کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر مسئلے میں فقہاء و مجتہدین کے مذہب اور اقوال میں سے اس قول کو اختیار کرے جو زیادہ آسان ہو اور معروف ائمہ مجتہدین میں سے کسی امام کے مذہب کا پابند نہ رہے اور اس انتخاب و اختیار کی بنیاد دلائل کی قوت یا ورع و تقویٰ اور احتیاط پر نہ ہو بلکہ اس کے اختیار کرنے کی بنیاد محض تخفیف و تسہولت اور ہوائے نفس ہو۔ (۱۳)

مندرجہ بالا بحث سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ تطبیق دو باہم متعارض امور کے مابین تعارض کو رفع کرنا اور تلفیق خواہشات نفسانی کے پیش نظر تنبیغ رخص سے عبارت ہے۔ ظاہر ہے کہ تطبیق ایک مبارک اور محمود فعل ہے اور تلفیق ایک نامبارک اور غیر محمود عمل ہے۔

تلفیق کے تاریخی پس منظر اور متاخرین فقہاء کے مابین نقطہ ہائے نظر کے اختلاف سے متعلق صاحب اسلوب محقق حافظ محمد سعد اللہ لکھتے ہیں:

”تلفیق کا مسئلہ قرون اولیٰ یعنی صحابہؓ تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں نظر نہیں آتا۔ یہ مسئلہ تقلید کے زمانے میں پیدا ہوا۔ جب مشہور مذاہب کے فقہاء نے دیکھا کہ اسلامی معاشرہ میں ورع و تقویٰ کی کمی ہے اور لوگوں میں خواہشات نفسانی کی پیروی کا سخت میلان پایا جاتا ہے۔ تو حالات میں تغیر کے باعث بہت سے فقہاء نے سد ذریعہ کے طور پر اور تشبیہ و فجور اور شرعی احکام سے آزادی حاصل کرنے کے طبعی رجحان کو ختم کرنے کے لیے اولاً تقلید پھر مسلک معین کے التزام کو ضروری قرار دیا۔ (۱۴) دوسرے اس مسئلے کا تعلق جس طرح مسئلہ تقلید اور اس کے جواز و عدم جواز سے ہے اسی طرح کسی متعین مذہب کے لازم ہونے کے مسئلہ سے بھی ہے تو جن حضرات نے تقلید کو جائز اور کسی متعین مذہب کی پیروی کو لازم قرار دیا ہے ان کے نزدیک تلفیق ممنوع ہے اور جن لوگوں نے کسی متعین و خاص مسلک کے التزام کو ضروری قرار نہیں دیا ہے وہ تلفیق کے جواز کے قائل ہیں۔ اسی بنا پر فقہاء کے درمیان اس کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں اختلاف ہے۔ اکثر فقہاء کی رائے ہے کہ تلفیق ناجائز ہے کیونکہ تلفیق کے ساتھ تقلید صحیح نہیں ہے اور فقہاء کی ایک جماعت مطلقاً تلفیق کے جواز کی قائل ہے اور بعض فقہاء نے اس سلسلے میں ایک تیسرا قول اختیار کیا ہے وہ یہ کہ تلفیق اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ وہ اس تتبع رخص تک نہ پہنچائے جو فتنہ و فجور اور اباحت پسندی کا سبب ہو اور جن حضرات نے اس کی مشروط اجازت دی ہے انھوں نے اس کے مختلف شرائط ذکر کیے ہیں۔“ (۱۵)

تطبیق کی فکری بنیادیں:

تطبیق و تلفیق کے معنی و مفہوم اور ان کے مابین فرق واضح ہونے کے بعد یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ تلفیق کے مسئلہ میں اکثر فقہاء کے تحفظات ہیں اور بجا ہیں تاکہ دین باز پچہ اطفال نہ بن جائے ہاں شرعی ضرورت کے وقت فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے۔ (۱۶) جب کہ مذاہب فقہ اور ان کے ائمہ کے مبنی برحق ہونے اور ان کے مابین تطبیق کے عمل کو جمہور ائمہ و فقہاء نے سراہا ہے اور بالخصوص امام شعرانی اور شاہ ولی اللہ نے غیبی اشارات اور حکم نبوی ﷺ کے مطابق جملہ مذاہب فقہ اور ان کے مآخذ و مراجع میں عملاً تطبیق و توفیق پیدا کر کے اجتماعی فقہ کی تدوین کی راہیں کشادہ کر دی ہیں اور الحمد للہ عالم اسلام میں اس حوالے سے قابل قدر کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ (۱۷) جب ہم قرآن و سنت

اور تعامل اسلاف میں غور و فکر کرتے ہیں تو تطبیق کے حوالے سے مندرجہ ذیل فکری بنیادیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ قرآن کریم:

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر صریح نصوص اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ دین اسلام اور شریعت محمد ﷺ کا افتراق اختلاف نہ صرف ناپسندیدہ بلکہ ممنوع ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرج اور عسر کی بجائے سیر اور سہولت پسندیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جاہ و جاسعت و طاقت سے زیادہ بوجہ ڈالنے کی نفی کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کریم، رؤف، رحیم اور رحمن ہونے کا بھی اعلان فرمایا ہے۔ ذیل میں چند آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصیناہ ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقيموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (۱۸)

”تمہارے لیے (اللہ تعالیٰ نے) وہی دین مشروع فرمایا جس کا تاکید حکم اس نے نوح علیہ السلام کو دیا تھا اور جس کی وحی ہم نے آپ ﷺ کی طرف کی ہے اور اسی کا تاکید حکم ہم نے ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ تم دین کو قائم (نافذ) کرو اور اس میں تفرق و افتراق میں نہ پڑنا۔“

مندرجہ بالا آیت میں سابقہ جلیل القدر انبیاء و رسل علیہ السلام اور نبی رحمت ﷺ کے واسطے سے ان کی امتوں کو دین کے نفاذ کے تاکید حکم کے ساتھ انھیں تفرق و افتراق سے اجتناب کرنے کی واضح تاکید کی گئی ہے اس حکم سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ تفرق و افتراق افراد کی سطح پر ہو یا معاشرہ اور قومی و ملی سطح پر بہر حال اللہ تعالیٰ کے ہاں نہایت ناپسندیدہ اور غیر مستحسن ہے۔

(۲) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يْرِىْ دِيْنََكُمْ الْعِسْرُ (۱۹)

”اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ جنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔“

اس آیت مبارکہ میں دین اسلام کے مزاج کا پتہ چلتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کو آسانی مطلوب ہے اور سختی غیر مستحسن ہے۔ اور اس آسانی کو اختیار کرنے کی اس وقت تک اجازت ہے جب تک یہ خلاف شرع امور کے ارتکاب تک نہ لے جائے۔ یہ سیر اور آسانی گھر، مسجد، کتب، سکول، کالج، یونیورسٹی، معاشرت، معیشت، سیاست اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سب کو محیط ہے۔ ہاں اگر اس میں اتباع ہوی اور شریعت کی نافرمانی کا امکان ہو تو پھر روائیس ہوگی۔

(۳) ارشاد باری ہے:

و ما جعل علیکم فی الدین من حرج (۲۰)

”اور اس (اللہ تعالیٰ) نے تمہارے اوپر دین میں کوئی تنگی نہیں کی۔“

اسلام میں تو تنگی اور حرج اس حد تک ناپسندیدہ ہے کہ مجلس کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ ان میں وسعت و کشادگی پیدا کرو اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں وسعت و کشادگی پیدا فرمائے گا۔ نبی رحمت ﷺ نے بارگاہ الہی میں یہ دعا کی کہ:

(اللهم من ولی من امر امتی شینا فشق علیہم فاشقق علیہ ومن ولی من امر امتی شینا فرفق بہم فافرق بہ) (۲۱)

”اے اللہ! جسے میری امت کا والی بنایا جائے اور وہ میری امت پر سختی کرے تو تو اس پر سختی فرما اور جو میری امت کا والی بنایا جائے اور وہ ان کے ساتھ نرمی کرے تو تو اس کے ساتھ نرمی فرما۔“

(۴) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فاتقوا اللہ ما استطعتم (۲۲)

”پس تقویٰ اختیار کرو اللہ کا جس قدر تمہاری استطاعت ہے۔“

یہ حقیقت واضح ہے کہ ہر شخص کی استطاعت متفاوت ہوتی ہے کچھ حضرات الہ عز ویت ہوتے اور کچھ اصحاب رخصت۔ جس کی جتنی استطاعت ہے اس سے اتنا تقویٰ مطلوب ہے۔ اب کسی کی صلاحیت شب زندہ دار ہونے کی ہے تو کسی کی محض فرض نمازیں ادا کرنے کی، کوئی گھر کا سارا مال راہ الہی میں پیش کر دیتا ہے تو کوئی آدھا اور کوئی اپنے مال کا کچھ حصہ پیش کرتا ہے۔ کسی کا گزارہ نان جو میں پر ہے تو کوئی اچھے کھانے تناول کر رہا ہے۔ کوئی صائم الدہر ہے تو کسی کو صرف رمضان کے فرض روزے رکھنے کی توفیق میسر ہوتی ہے اور کوئی ہر سال حج و عمرہ کی سعادت حاصل کرتا ہے تو کسی کو عمر بھر یہ سعادت

حاصل نہیں ہو پاتی۔ اس لیے صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین میں سے جس کے قول پر بھی عمل پیرا ہو گا وہ ہدایت یافتہ شمار ہو گا کیونکہ ان حضرات کے قول بالرائے سے بری ہونے پر اجماع امت ہے۔

(۵) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (۲۳)

اس آیت مبارکہ سے اس امر کی صراحت ہوتی ہے کہ ”تکلیف مالا یطاق“ شرع میں روا نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی کی وسعت و طاقت سے بڑھ کر اس پر ذمہ داری نہیں ڈالی ہے۔ گویا احکام شرع کی تعمیل ہر کسی کے بس میں ہے۔ اگر کوئی نہیں کرتا تو وہ گنہگار قرار پائے گا مثلاً حج کی فرضیت اور ادائیگی کو صاحب نصاب ہونے کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔ روزہ کے لیے صحت مند ہونے اور سارے دن کی بھوک پیاس سہارنے کی صلاحیت ضروری ہے یہی وجہ ہے بچوں، بیماروں اور بوڑھوں پر (جو روزہ نہیں رکھ سکتے) روزہ فرض نہیں ہے اور نماز کے لیے مختلف آپشنز دیے گئے ہیں کہ کھڑے ہو کر ادا کریں اگر کھڑے ہو کر نماز کی ادائیگی سے کوئی قاصر ہے تو بیٹھ کر ادا کرنے کا حکم ہے۔ بیٹھ کر ممکن نہ ہو تو لیٹ کر اشارے سے ادا کرنا لازم ہے۔

(۶) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَءُوفٌ رَحِيمٌ (۲۴)

”بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ نہایت مہربان اور رحیم کرنے والا ہے۔“

اس کے مہربان اور رحیم ہونے کی وجہ سے توبہ کا دروازہ غرغره موت سے پہلے تک کھلا ہوا ہے اور سچے دل سے توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیا جاتا ہے۔ نیز مختلف گناہوں کے سلسلے میں جو کفارے مقرر کیے گئے ہیں ان میں بھی تین تین اختیار دیے گئے ہیں تاکہ جو جس کی وسعت و طاقت ہو اس کے مطابق عمل کر لے۔

(۷) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ (۲۵)

”اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار ہو جاؤ اور ایمان لے آؤ۔“

ایمان اور شکرگزاری دو ایسے وصف ہیں جن کی وجہ سے کبر و تکبر اور خود فرضی کی نفی ہوتی ہے جب کہ

(۸) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

۲۔ حدیث نبوی ﷺ

دین میں سیر اور تخفیف اور مختلف امور کے مابین تطبیق کے حوالے سے متعدد فرامین نبوی ﷺ ملتے ہیں جن میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے:

(۱) فرمان نبوی ﷺ ہے:

(الدین یسرو لن یشاہذہ الدین احد الاغلبہ) (۲۷)

”دین سہل ہے کوئی بھی اس دین میں سختی کا ارادہ نہیں کرے گا مگر یہ اس پر غالب آ جائے گا۔“
گو یا دین میں سہولت اور تخفیف مستحسن ہے اور اس سلسلے میں شدت اختیار کرنا اور لوگوں کو مشقت میں مبتلا کرنا پسندیدہ اور غیر مستحسن ہے۔ اور ایسا کرنے والا سخت وعید کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ (اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔)

(۲) اسی سلسلے میں آیہ صلی اللہ علیہ کا وہ فرمان مبارک جو آیہ صلی اللہ علیہ سمع و طاعت پر بیعت لیتے وقت

ارشاد فرماتے تھے:

(فی المنشط والمکروه) (۲۸)

”کہ تمہاری سمع و طاعت پر یہ بیعت خوشگوار اور ناپسندیدہ امور میں لی جارہی ہے لیکن اس حد تک جس کی تم استطاعت رکھتے ہو۔“

جب تک استطاعت ہے اس وقت تک تعمیل ارشاد کا حکم ہے اور جب یہ استطاعت نہ رہے تو وہ حکم موقوف ہو جائے گا جیسے کوئی صاحب نصاب نہ رہے تو فرضیت زکوٰۃ اس سے ساقط ہو جائے گی اور اسی طرح اگر کوئی صاحب استطاعت نہ رہے تو حج کی ادائیگی اس سے موقوف ہو جائے گی۔

(۳) ارشاد نبوی ﷺ ہے:

(اذا امرتکم بامر فأتوا منه ما استطعتم) (۲۹)

”جب میں تمہیں کسی امر کی ادائیگی کا حکم دوں تو اس کو اس حد تک بجالاؤ جتنی تمہاری استطاعت ہے۔“

کسی بھی حکم شریعت کی ادائیگی استطاعت پر منحصر ہے۔ نبی رحمت ﷺ ”تکلیف مالا یطاق“ کو ناپسند فرماتے تھے اور اگر آپ ﷺ کے سامنے کسی کے سخت رویے کی شکایت کی جاتی تو سخت غضبناک ہوتے تھے۔

(۴) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

(یسروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا) (۳۰)

”لوگوں پر آسانی کرو سختی نہ کرو اور لوگوں کو خوشخبری دیا کرو (اچھے اچھے امور اور ان میں پوشیدہ حکمتوں کی طرف متوجہ کیا کرو) اور انہیں متفر نہ کیا کرو۔“

یعنی اگر دین حق کی طرف کسی کو دعوت دینے کا مرحلہ درپیش ہو تو ”حکمت“ اور ”موعظہ حسنہ“ کے اسلوب کو اپناؤ۔ اور جہاں کہیں بحث و جدال کی ضرورت محسوس ہو تو نہایت احسن اسلوب میں دلائل دے کر قائل کرو۔ انسان کی فطرت ہے کہ امور بشارت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اسے سخت امور کی طرف بلایا جائے تو وہ اظہار تنفر کرتا ہے۔ اس لیے یہ حکم دیا گیا کہ اسے ”امور بشارت“ کے ذریعے متوجہ

کرو۔ جب وہ متوجہ ہو جائے گا تو اس کے لیے مشکل امور بجالانا بھی آسان ہو جائے گا۔

ملا علی قاریؒ دین میں اختلاف کی تین اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”والاختلاف فی الدین ثلاثة اقسام‘ احدها فی اثبات الصانع و وحدانيته و انكار ذلك كفر‘ و ثانيها فی صفاته و انكارها بدعت و ثالثها فی احكام الفروع المتحملة و جوها فلهذا جعله الله تعالى رحمة و كرامة للعلماء“ (۳۱)

دین میں اختلاف کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ صانع (اللہ تعالیٰ کے وجود) اور اس کی وحدانیت کا اثبات اور اس کا انکار کفر ہے۔ دوسرا یہ کہ اس کی صفات کا اثبات اور اس کا انکار بدعت ہے اور تیسرا اختلاف فروع، جو مختلف وجوہ کا احتمال رکھتی ہوں، ان سے احکام کے استنباط و استخراج میں ہے اور یہی وہ اختلاف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علماء کے لیے باعث رحمت و کرامت بنایا ہے۔“ (۵) ارشاد نبوی ﷺ ہے:

(اختلاف امتی رحمة) (۳۲)

”میری امت کے مابین اختلاف رحمت ہے۔“

مندرجہ بالا حدیث نبوی ﷺ کی وضاحت، تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے۔ تاہم یہ امر واضح ہے کہ یہ اختلاف، خلاف اور مخالفت کے معنی میں نہیں ہے نہ اس سے مراد اصول دین میں اختلاف ہے بلکہ یہ امور اجتہادیہ میں ہے جو فروع میں ہوتا ہے اور اختلاف پر مبنی ہوتا ہے۔ اور ایسا اختلاف یقیناً رحمت ہوتا ہے کیونکہ اختلاف رائے سے نئی راہیں کشادہ ہوتی ہیں نئے زاویے سامنے آتے ہیں اور منزل تک رسائی آسان ہو جاتی ہے۔ اسی لیے تو پروردگار نے امت مسلمہ کے معاملات کیسے طے پائیں گے؟ کالائحه عمل دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وامرهم شورى بينهم (۳۳)

”اور ان کے معاملات ان کے مابین باہمی مشاورت سے طے پائیں گے۔“

ظاہر ہے کہ مجلس شوریٰ (جس میں ہر میدان کے ماہرین علم و فن شامل ہوں) میں جملہ ارکان شوریٰ کی ایک رائے تو نہیں ہو سکتی لیکن مجموعی طور پر اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہمارے حق میں کون سا اقدام بہتر ہے

۳۔ تعامل اسلاف:

۱۔ امام سفیان ثوریؒ لفظ ”اختلاف“ کے استعمال کو ناپسند فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے:

”لا تقولوا اختلاف العلماء في كذا أو قولوا قد وسع العلماء على الأمة بكذا“ (٣٣)

یہ نہ کہا کرو کہ اس امر میں علماء نے اختلاف کیا ہے بلکہ یہ کہا کرو اس امر میں علماء نے امت کے لیے توسیع کی ہے۔“

کیونکہ ائمہ مجتہدین کا باہمی فردی اختلاف امت کے حق میں تیسرے وسعت اور سہولت کا باعث ہے وہ لفظ ”اختلاف“ کے استعمال سے اسی لیے روکتے تھے کہ کہیں اس سے عوام خلاف مقصود اختلاف نہ سمجھ بیٹھیں۔

۲۔ امام شافعی کا فرمان ہے:

ان اعمال الحديثين او القولين بحملها على حالين اولى من الغاء احدهما“ (٣٥)

”دو (بظاہر متعارض) حدیثوں یا اقوال پر اس طرح عمل کرنا کہ انھیں مختلف حالتوں پر محمول کیا جائے اس سے کہیں بہتر ہے کہ ان میں سے ایک پر عمل کیا جائے اور دوسرے پر عمل کرنے سے روک دیا جائے۔“

۳۔ امام عبد الوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ تطبیق کی کاوش کرنے والے علماء کو جاہل کہنا دروغ گوئی ہے اور ایسا کہنے والا خود جاہل ہے بلکہ شریعت پر کامل عمل اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ جملہ ائمہ مجتہدین کے اقوال واجتہادات کو سامنے رکھ کر قرآن وسنت اور اجماع امت کے ساتھ توفیق وتطبیق نہ دی جائے۔ حضرت علی خواصؓ فرماتے ہیں:

”لا یکمل لمؤمن العمل بالشريعة کلھا وھو مقلد بھذھب واحدا بھذا“ (۳۶)

”کسی بھی صاحب ایمان کے لیے شریعت پر کامل طور پر عمل کسی ایک مذہب فقہ کا مقلد رہ کر ہمیشہ کے لیے ناممکن ہے۔“

امام شعرانی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وھو کلام نفیس فان الشريعة انما تکمل احکامھا بھضم جمیع الاحادیث والمذھب

بعضھا الی بعض حتی تصیر کانھا مذھب واحد ذو مرتبین“ (۳۷)

”(شیخ علی خواصؓ کا) یہ نہایت نفیس کلام ہے کیونکہ شریعت کے احکام اسی وقت ہی درجہ کمال کو پہنچ سکتے ہیں جب جملہ احادیث مبارکہ اور مذاہب فقہ میں سے بعض کو بعض کے ساتھ اس طرح ملا دیا جائے کہ وہ دو مرتبوں (عزیمت و رخصت) پر مشتمل ایک مذہب فقہ ہو جائے۔“

امام شعرانی اس امر کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ میرے نظریہ تطبیق پر مشتمل میری تالیف ”المیزان الکبریٰ“ کا اس وقت تک یہ کہہ کر انکار نہ کرو کہ:

”کیف یصح بفلان الجمع بین جمیع المذھب وجعلھا کانھا مذھب واحد من غیر ان

تنظر فیھا او تجتمع بصاحبھا فان ذلک جھل منک وتھور فی الدین بل اجتمع

بصاحبھا وناظرھ فان قطعک بالحجة وجب علیک الرجوع الی قوله ولولم یسبقه

احد الی مثله“ (۳۸)

”فلاں شخص کے لیے کیسے یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ جملہ مذاہب فقہ کے مابین جمع وتطبیق کر کے اسے ایک ہی مذہب فقہ بنادے۔ جب تک کہ تو اس (کی کتاب ”المیزان الکبریٰ“) میں غور و فکر نہ کر لے یا اس کے مصنف سے ملاقات نہ کر لے کیونکہ ایسا کرنا تیری جہالت اور دین کے معاملے میں بے باکی پر مبنی

ہے۔ بلکہ اس کے مؤلف سے ملاقات کر اور مناظرہ کر لے اگر وہ دلیل کے ساتھ تجھے خاموش کر دے تو پھر تیرے اوپر اپنے نکتہ نظر سے رجوع کر کے مؤلف میزان کے نقطہ نظر کو اپنا لینا واجب ہوگا۔ اگرچہ اس سے پہلے اس طرح (تطبیق و توفیق) کا کارنامہ کسی اور نے سرانجام نہ بھی دیا ہو۔

اس کے بعد امام شعرانی بغیر تحقیق کیے کسی پر جہالت کا الزام لگانے کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وایاک ان تقول: ان واضع هذه المیزان جاهل بالشريعة فتقع فی الکذب فانه اذا كان مثله یسمى جاهلا مع قدرته علی توجیه احکام جمیع اقوال المذاهب فمابقی علی وجه الارض الآن عالم؛ وقد قال الامام محمد بن مالک: و اذا كانت العلوم منحة الهیة و اختصاصات لدنیة فلا بدع ان یدخر الله تعالی بعض المتأخرین مالم یطلع علیه احدهن المتقدمین“ (۳۹)

”اور (اے مخاطب!) تجھے اس امر سے بھی گریز کرنا چاہیے کہ اس میزان کے مؤلف پر جہالت کا الزام لگائے کیونکہ یہ محض دروغ گوئی ہے۔ اگر ایسا شخص جو تمام ائمہ مجتہدین کے اقوال کی ایسی توجیہ کروئے جس سے باہمی تخالف رفع ہو جائے تو پھر اب روئے زمین پر کوئی ایک فرد بھی اس قابل نہ رہے کہ اسے عالم کہا جائے اور امام محمد بن مالکؒ نے فرمایا ہے کہ علوم جب انعامات الہیہ اور اس کے خاص احسانات ہیں تو لازم ہے کہ اس پروردگار نے علماء متأخرین کے لیے ایسے امور رکھ چھوڑے ہوں جن کے عرفان کا شرف متقدمین کو حاصل نہ ہوا ہو۔“

کسی امر کو علماء متقدمین کا نہ کرنا اور متأخرین کا اس کا کارنامہ کو سرانجام دینا اس کے غلط ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا بلکہ فیاض ازل کی الہی فیاضی کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔

۴۔ شیخ اکبر محمد الدین ابن عربیؒ تطبیق کے حوالے سے اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان العباد اذا سلك مقامات القوم متقیداً بمذهب واحد لا یری غیره فلا بد ان ینتهی به ذلک المذهب الی العین التی اخذ امامه منها اقواله و هناك یری اقوال جمیع الانمة تغترف من بحر واحد فینفک عنه التقید بمذهبه ضرور فوری حکم بتساوی المذاهب کلها فی الصحة خلاف ما کان یعتقدہ قبل ذلک“ (۴۰)

”کہ بندہ جب مذہب معین کی پابندی کرتے ہوئے قوم (صوفیاء کرام) کے مقامات طے کر لیتا ہے اس طرح کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور مذہب فقہ کا معتقد نہ ہو تو وہ مذہب فقہ ضرور اسے اس سرچشمہ تک پہنچا دے گا جہاں سے اس کے امام نے اپنے اقوال (اور ان کے دلائل) حاصل کیے ہیں اور وہاں اسے یقین ہو جائے گا کہ جملہ ائمہ مجتہدین ایک ہی دریا سے اپنا اپنا حصہ پاتے ہیں۔ پھر ایک مذہب کی پابندی (اور دوسرے مذہب فقہ کی نفی) ضرور اس سے جدا ہو جائے گی اور وہ اپنے سابق نقطہ نظر کے برعکس جملہ مذاہب فقہ پر صحت کے اعتبار سے یکساں حکم لگائے گا۔“

۵۔ شیخ بدرالدین زرکشی نے اپنی کتاب ”القواعد فی الفقہ“ کے آخر میں لکھا ہے کہ اگر کسی امر میں رخصت بھی ہو اور عزیمت بھی تو ان دونوں پر عمل کرنا مقصود ہوتا ہے اور جب مکلف رخصت پر اس نیت سے عمل کرے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے تو وہ بہت بہتر ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ ہے:

(ان الله يحب ان تؤتى رخصه كما يحب ان تؤتى عزائمه) (۴۱)

”اللہ تعالیٰ رخصتوں پر عمل کرنے کو اسی طرح پسند فرماتا ہے جس طرح کہ اپنی عزیمتوں پر عمل کرنے کو۔“ شیخ زرکشی کہتے ہیں کہ شریعت کا مقصود اتفاق ہے اور اگر کسی امر میں اختلاف ہو بھی جائے تو حتی الوسع اتفاق کی طرف لوٹایا جائے جیسا کہ ائمہ ورع و تقویٰ کا معمول ہے۔ (۴۲)

مذاہب اربعہ کے مطابق فتویٰ دینے والے علماء:

امام شعرانی نے ”المیزان الکبریٰ“ جلد اول میں ان علماء و فقہاء کے نام ذکر کیے ہیں جو مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) کے مطابق افتاء جاری کرتے تھے۔ فرماتے ہیں:

وقد بلغنا انه كان يفتي الناس بالمذاهب الاربعه الشيخ الامام الفقيه المحدث الاصولي الشيخ عبدالعزيز الديريني و شيخ الاسلام عز الدين بن جماعة المقدسي والشيخ العلامة الشيخ شهاب الدين البرلسي الشهير بابن الاقطيع رحمهم الله والشيخ علي النبتيتي الضربون نقل الشيخ الجيل السيوطي رحمه الله عن جماعة كثير من العلماء انهم كانوا يفتون الناس بالمذاهب الاربعه لاسيما العوام الذين لا يتقيدون بمذهب

مذہب اربعہ کے ساتھ فتویٰ دینے والے علماء کے لیے لازم ہے کہ ہر امام کے نزدیک جو قول ارجح اور اقویٰ ہو اس کی معرفت ہونی چاہیے تاکہ مقلدین کو فتویٰ دے سکے۔ ہاں اگر مفتی کو یہ معلوم ہو کہ مسائل اور مستثنیٰ کو میرے علم اور دین و ورع پر کامل اعتماد ہے کہ میں اسے جو بھی فتویٰ دوں گا اس کے لیے انشراح صدر کا باعث ہوگا تو اس وقت وہ مرجوح اور ضعیف قول کے ساتھ بھی فتویٰ دے سکتا ہے۔ (۳۶)

۱۔ تطبیق اور تفسیق میں یہ فرق ہے کہ تطبیق میں امور مختلفہ کے درمیان مخالفت رفع کر کے ان کے مابین توافق و تطابق پیدا کیا جاتا ہے اور یہ عند اللہ مستحسن و مطلوب ہے۔ جب کہ تفسیق میں صرف اتباع ہوی اور اپنی غرض مقصود ہوتی ہے۔ ہاں اگر شدید شرعی ضرورت ہو تو اس کی اجازت ہے۔

۳۔ مذاہب اربعہ کے ساتھ افتاء جاری کرنا زمانہ ماضی میں علماء کا معمول رہا ہے اور اس کے لیے لازم ہے کہ مسائل اور مستفتی کے حال کو پیش نظر رکھا جائے۔ اگر وہ مقلد ہے تو اسے اس کے امام کے نزدیک ارجح اور اقویٰ قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے اور اگر اسے مفتی کے علمِ دیانت اور ورع پر کامل اعتماد ہے تو وہ اس کی حالت کے پیش نظر راجح و مرجوح اور قویٰ و ضعیف میں سے جو قول اس کے حق میں بہتر ہو اس کے مطابق افتاء جاری کر سکتا ہے۔

حواشی

١/٨١-١٨٢/١٢٠٣ القاموس المحيط، بيروت: مؤسسة الرسالة، ط٣ (١٩٩٣ء)، "باب القاف"، فصل

الطاء، ص ۱۱۶۵-۱۱۶۶۔

۲۔ لسان العرب (تحت مادة طبق) ۱۲۱/۸-۱۲۳۔

۳۔ الجوهري أبو نصر إسماعيل بن حماد الصالح، بيروت: دار الفكر، ط ۱ (۱۹۹۸ء) باب القاف، فصل

الطاء ۲/۱۱۴۷-۱۱۴۸۔

۴۔ أبو الحسين محمد بن فارس بن زكريا (۳۹۵ھ) "معجم مقاييس اللغة" بيروت: دار احياء التراث العربي، ط

۱ (۲۰۰۱ء) كتاب الطاء، باب الطاء والباء وما بينهما، ص ۶۰۷۔

۵۔ الدكتور روجي الحليمي، المورد (عربي-انكليزي) بيروت: دار العلم للمبشرين، ط ۱۹ (مايو ۲۰۰۵ء) ص ۳۳۱۔

۶۔ لسان العرب (تحت مادة لفق) ۱۰/۳۳۰ القاموس المحيط ۱۱۸۶-۱۱۸۷۔

۷۔ الصحاح، باب القاف، فصل اللام، ۴/۱۱۷۷۔

۸۔ محمد سعيد الباني، العلامة، عمدة التحقيق في التقليد والتلفيق، ص ۹۱۔

۹۔ وهبة الزحيلي، دكتور اصول الفقه الاسلامي دمشق: دار الفكر، ط ۱ (۱۹۹۷ء) ۲/۱۱۴۲۔ وهبة الزحيلي، دكتور

الفقه الاسلامي واداءه ۱/۱۰۶۔

۱۰۔ النابلسي، عبد الفتى خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد والتلفيق، استانبول: مكتبة البعث، (۱۴۰۱ھ

/۱۹۸۱ء) ص ۱۸۔

۱۱۔ اصول الفقه الاسلامي ۲/۱۱۴۳۔

۱۲۔ خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد والتلفيق، ص ۲۲۰۔

۱۳۔ السفاريني، محمد بن احمد، التحقيق في بطلان التلفيق، رياض: دار الضميني، ط ۱ (۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء) ص ۱۳۵۔

۱۴۔ مزيد تفصيل کے لیے ملاحظہ ہو: عقد الجيد في احكام الاجتهاد والتقليد۔ (مقالہ نگار)

۱۵۔ حافظ محمد سعد اللہ، فقہی مسالک میں تلفیق و تطبیق۔ ایک حقیقی جائزہ (غیر مطبوعہ مقالہ ایم فل) اسلام

آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (۲۰۰۳ء) ص ۳۵۔

۱۶۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: المیزان الکبریٰ ۱/۴۹-۵۴۔

۱۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: اجتماعی اجتہاد۔ تصور ارتقاء اور عملی صورتیں (ترتیب و تدوین: محمد طاہر

منصوری) ادارہ تحقیقات اسلامی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد ط ۱۔ (۲۰۰۷ء) حافظ محمد زبیر، عصر حاضر میں اجتماعی اجتہاد۔ ایک تجزیاتی مطالعہ (مقالہ پی ایچ ڈی) ۲۰۱۰ء، شیخ زاہد اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

۱۸۔ سورۃ الشوری (۴۲): ۱۳۔

۱۹۔ سورۃ البقرہ (۲): ۱۸۵۔

۲۰۔ سورۃ الحج (۲۲): ۷۸۔

۲۱۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلتہ الامام العادل۔

۲۲۔ سورۃ التائبین (۶۴): ۱۶۔

۲۳۔ سورۃ البقرہ (۲): ۲۸۶۔

۲۴۔ سورۃ الحج (۲۲): ۶۵۔

۲۵۔ سورۃ النساء (۴): ۱۴۷۔

۲۶۔ سورۃ الانعام (۸۲): ۷۶۔

۲۷۔ صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب قیام لیلة القدر۔

۲۸۔ ایضاً، کتاب الاحکام، باب یتابع الامام الناس۔

۲۹۔ النسائی، السنن، کتاب الصیام، باب المریض یفطر۔

۳۰۔ صحیح البخاری، کتاب العلم، باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستحبہم۔

۳۱۔ ملا علی القاری، مرقاۃ المفاتیح، بیروت: دار الکتب العلمیہ، ط ۱۔ (۱۴۲۲ھ) ۳۸۵۳/۹۔

۳۲۔ محولہ بالا۔

۳۳۔ سورۃ الشوری (۴۲): ۳۸۔

۳۴۔ اشعرانی، عبد الوہاب، المیزان الکبریٰ، بیروت: دار الکتب العلمیہ، (۲۰۰۹ء) ۳۳/۱۔

۳۵۔ محولہ بالا۔

۳۶۔ ایضاً ۱/۳۵۔

۳۷۔ محولہ بالا۔

۳۸۔ ایضاً ۱/۱۸۔

۳۹۔ ایضاً ۱/۱۸۔

۴۰۔ ایضاً ۱/۲۰۔

۴۱۔ صحیح ابن حبان، کتاب البریاب، الاخبار عما یستحب للمراء۔

۴۲۔ المیزان الکبریٰ ۱/۲۱۔

۴۳۔ ایضاً۔

۴۴۔ اجتہاد کی دو قسمیں ہیں: اجتہاد مطلق غیر نسبی، جیسا کہ ائمہ اربعہ کا اجتہاد۔ کچھ اور لوگوں نے بھی اس درجہ اجتہاد کا دعویٰ کیا لیکن اسے تلقی بالقبول حاصل نہ ہو سکا۔ اجتہاد مطلق نسبی، جیسا کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ اور مقلدین علماء کا اجتہاد۔ (المیزان الکبریٰ ۱/۲۱-۲۲)۔

۴۵۔ المیزان الکبریٰ ۱/۲۲۔

۴۶۔ ایضاً ۱/۳۹-۵۳۔

اہل علم و قلم کے لیے خوشخبری

اشاویہ ماہنامہ برہان دہلی

علمی، دینی، تحقیقی رسالے ماہنامہ برہان دہلی کے ۶۳ برس کے مجلات کا اشاریہ شائع ہو گیا

ملنے کا پتہ: اوراقی پارینہ پبلشرز، لاہور 4148570-0321

کتاب سرائے، اردو بازار، لاہور + فضلی سنز، اردو بازار، کراچی